بحیثیت مسلمان

ہماری ذمہ داری

مولفہ

ابومعاویہ مولانا مفتی محمد ایاز صاحب

اشاعت اکیڈمی
اینڈ پرنٹنگ ایجنسی پشاور
0300-9391643
Ph: 091-5515698
Mob: 0300-9391643
عبدالغنی پلازہ محلہ جنگی پشاور

بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز، محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

انفرادی ذمہ داری	5
ایمان	7
عمل	9
اصلاح کا طریقہ اور راستہ	11
ہمارا کام	12
ہمارا حال اور جائزہ	12
اجتماعی ذمہ داری	13
اِس ذمہ داری اور شہادتِ حق کی اہمیت	15
دعوتِ دین یا قولی شہادت	18
اقامتِ دین یا عملی شہادت	19
ان دونوں شہادتوں یعنی دعوت و اقامتِ دین کا جائزہ	21
ہمارا مقصد اور طریقہ کار	26
نظم جماعت	27
ہمارا مطلوبِ کار	29
آپ سے ہمارا مطالبہ	30

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہر مسلمان پر ازروئے شریعت کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا بے حد ضروری اور ناگزیر ہے اور جن کے بغیر وہ حقیقی مسلمان نہیں بن سکتا۔اِس کی مثال اُس ہندوستانی مسلمان کی ہوگی جو کلمۂ اسلام سے ناواقف اور نماز روزہ کا تارک ہونے کے باوجود محض باپ دادا کے لوٹے اور مصلے کی بنیاد پر خود کو مسلمان کہتا تھا۔اس کے علاوہ ہمارے معاشرے کے وہ مسلمان جو اچھے اور نیک کہلائے جاتے ہیں، انہوں نے بھی چند مخصوص عقائد کو اپنانے اور صوم و صلوۃ کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔

بہر حال وہ ذمہ داریاں صرف اتنا کہنے سے نہیں چھوٹ سکتیں کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے اللہ کو اور اس کے دین کو مان لیا ہے۔ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور دیگر عبادات بھی بجالاتے ہیں۔در حقیقت بحیثیت مسلمان ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے افراد پر دو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ جن کا سمجھنا، ادا کرنا اور سمجھنا ضروری ہے: (۱) انفرادی (۲) اجتماعی

انفرادی ذمہ داری:

عام طور پر معاشرے میں وہ شخص بہت بری نظر سے دیکھا جاتا ہے جو اپنے مستقبل کے لیے کچھ سوچ وبچار نہیں کرتا۔ لوگ اُسے بے وقوف سمجھتے ہیں، حالانکہ دنیاوی زندگی اور کامیابی عارضی اور چند روزہ ہے، جبکہ آخرت کی زندگی اور کامیابی و ناکامی ہمیشہ کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ۔ [ال عمران: ۱۸۵]

”جو جہنم کی آگ سے بچ کر جنت میں چلا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہے“۔

یہ دنیا کا نظام ہے کہ یہاں ہر ناکامی کے بعد کامیابی کا موقع ضرور ملتا ہے، مثلًا اگر کوئی امتحان میں فیل ہوا تو سپلیمنٹری (ضمنی امتحان) میں یا آئندہ سال امتحان دے سکتا ہے اور بار بار موقع ملتا ہے، جبکہ آخرت میں ایک مرتبہ ناکام ہونے کے بعد دوسرا موقع نہیں ملتا۔اب ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا تیاری کی ہے اور اگر کی ہے تو کیا واقعی وہ

تیاری کامیابی اور نجات کے لیے کافی ہے؟ ہم لوگ اس عارضی دنیا اور اس میں عارضی دنیاوی مستقبل کے لیے دن رات محنت اور تگ ودُو کر رہے ہیں، جبکہ ہم نے اپنے ہمیشہ اور اُخروی مستقبل کے لیے نہ تو اتنی محنت اور سعی کی ہے جو کامیابی کے لیے ضروری ہے اور نہ ہی اس کے لیے کبھی سنجیدگی سے سوچا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۔ [حشر:۱۸]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (قیامت) کے لیے کیا کچھ آگے بھیجا ہے۔"

یعنی مسلمان پر سب سے پہلے انفرادی حیثیت سے اصلاحِ نفس (اپنے نفس کی فکر) لازم ہے۔ اور انفرادی اصلاح کے لیے دو کام کرنا ضروری ہیں۔ ایک ایمان یعنی عقیدہ کی درستی اور پختگی اور دوسرا عمل درست کرنا۔ قرآن پاک نے جہاں کہیں بھی کامیابی اور جنت کا تذکرہ کیا ہے تو وہاں اس کامیابی اور حصولِ جنت کے لیے انہی دو چیزوں ایمان اور عمل کو معیار بنایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۔ [لقمان: ۸]

"یقینا وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور نیک (سنت کے مطابق) عمل کرتے رہے تو اُن کے لیے نعمتوں کے باغ (جنت) ہیں۔"

اصلاح نفس کے سلسلے میں ایمان کی مثال جڑ اور بنیاد کی ہے اور عمل کی حیثیت بنیاد پر کھڑی باقی عمارت کی سی ہے۔ اس لیے اسلام پہلے ایمان اور عقیدے پر زیادہ زور دیتا ہے اور عقیدے کی درستی اور پختگی کے بعد عمل پر، کیونکہ صحیح عقیدے کے بغیر عمل کچھ بھی نہیں جیسا کہ ارشاد ہے: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۔ [فرقان: ۲۳]

"اور انہوں نے جو عمل کیے ہوں گے ہم اُن کی طرف متوجہ ہو کر انہیں اُڑتی خاک (عبث) کردینگے"

اس لیے صحیح عقیدے کے حصول کے بعد عمل کی باری آتی ہے اور عمل کے بغیر کامیابی ادھوری ہے۔

ایمان :

ایمان کہتے ہیں دل کی گہرائی سے یہ عقیدہ رکھنا اور زبان کی سچائی سے یہ اقرار کرنا کہ اس تمام کائنات کا پیدا کرنے والا، مالک، خالق، مختار، مدبر اور حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی بھی مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، خاکی ہو نوری ہو یا ناری، جن ہو یا فرشتہ، نبی ہو یا ولی، زندہ ہو یا مردہ، بت ہو، حجر ہو یا شجر، کوئی بھی اللہ کی ذات وصفات، اسماء اور افعال میں شریک نہیں۔ نہ خلق (پیدائش) میں، نہ اختیار میں، نہ علم میں، نہ نظامِ عالم کے چلانے میں، نہ مصیبت و پریشانی لانے اور ٹالنے میں، نہ حکم اور فیصلہ کرنے میں۔ اسی طرح اللہ کے سوا نہ تو کوئی غائبانہ پکار کے لائق ہے، نہ عاجزی اور عبادت وبندگی یا رکوع اور سجدے کے۔ یہ ہے توحید اور اس کے برعکس ہے شرک جو قابل معافی نہیں۔

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ۔ [مائدہ: ۷۲]

"جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اُس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے۔"

جس طرح کینسر (سرطان) انسان کے بدن کو ختم کر کے چھوڑتا ہے اسی طرح شرک انسان کی روح کا کینسر ہے اور تب جا کر چھوڑتا ہے جب اسے جہنم رسید کر دے۔ اسی لئے شرک سے بچنا اور توحید کا عقیدہ رکھنا اسلام کی پہلی تعلیم اور مطالبہ ہے اور اصلاح نفس کے لیے سب سے پہلی دوا ہے۔ عقیدہ توحید پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ رسالت پر ایمان لانا، کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے وہ تمام برحق، ہدایت یافتہ، گناہوں سے معصوم (پاک) اور اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے لیے زندگی گزارنے کا نمونہ اور واجب الاطاعت تھے۔ ان انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے چلا تھا وہ آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اب کوئی نیا نبی پیدا نہ ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم مسلمانوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تابعداری فرض ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ [نساء:۵۸]

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو"

حدیث پاک میں بھی آیا ہے:

مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ۔ [مشکوٰۃ]

"جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی حقیقت میں اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سنت طریقے کو اپنائیں۔ہر موقع ہر کام میں چاہے صورت ہو یا سیرت ،اخلاق و کردار، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لباس ،شادی غمی، عبادت ہو یا معاشرت، سب کے سب نبی علیہ السلام کی سنت کے مطابق پر ادا کرنا ضروری ہیں۔ اسی طرح آخرت پر ایمان یہ ہے کہ دنیا کی یہ زندگی ایک دن ضرور ختم ہونے والی ہے جس سے دنیا کی کوئی قوم اور مذہب انکار نہیں کرتا۔ چونکہ دنیا میں ہر قسم کے لوگ بستے ہیں نیک و بد اور ظالم و مظلوم لیکن دنیا میں اکثر نہ بد کو اس کی بدی کی اور نہ ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملی اور نہ نیک و مظلوم کو اس کی نیکی اور مظلومیت کا بدلہ۔ لہٰذا ایک ایسا دن ضرور ہونا چاہئے جس میں ظالم و بدکار کو اس کے ظلم و بدکاری کی سزا ملے اور نیک و مظلوم کو اس کی نیکی اور مظلومیت کی جزا اور وہ ہے قیامت کا دن۔ قیامت کا برپا ہونا اللہ تعالیٰ کے عدل اور انصاف کا تقاضا ہے۔ اسی طرح جنت اور جہنم اور قبر (برزخ) کی زندگی پر ایمان رکھنا، فرشتوں اور تقدیر پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان رکھنا، کہ اللہ نے اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے اپنا حکم نامہ، قانون اور دستورِ حیات کتابوں کی شکل میں بھیجا۔ان میں آخری کتاب قرآن پاک ہے جس کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کو اپنا قانون تسلیم کرنا ہم پر فرض ہے۔ مختصر یہ کہ ان تمام ایمانیات پر پختہ عقیدہ رکھنا سب سے پہلا فرض ہے اور ان ایمانیات کے سلسلے میں عقیدہ توحید سب سے اہم اور رَأْسُ الْعَقَائِد ہے۔ اگر کوئی انسان باقی عقائد اللہ تعالیٰ کے وجود، رسالت، آخرت، فرشتوں، تقدیر، کتابوں وغیرہ پر تو عقیدہ رکھتا ہے، لیکن توحید کا عقیدہ نہیں

رکھتا، کسی اور کو بھی اللہ کے ساتھ کسی بھی حیثیت سے شریک ٹھہراتا ہے تو اس شخص کے باقی عقائد بھی قابلِ قبول نہیں۔اسی طرح کے لوگوں کا تذکرہ اللہ نے کچھ یوں کیا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ۔ [یوسف:١٠٦]

" اکثر لوگ (باقی ایمانیات پر توحید کے بغیر) ایمان لاتے ہوئے پھر بھی مشرک ہوتے ہیں"۔

عمل:

اصلاح نفس کے ضمن میں عقیدہ اور ایمان کے بعد عمل ہے۔جب ایک مسلمان کا عقیدہ قرآن و سنت کے مطابق درست ہو جائے تو اس سے عمل کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے اور یہ عمل اس کے ایمان اور عقیدے کا عملی ثبوت ہوتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ عمل ہے کیا چیز۔؟ عام طور پر ہم نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ عمل صرف نماز، ذکر،تلاوت، روزہ اور حج وغیرہ کو کہتے ہیں، حالانکہ عمل کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ عمل کہتے ہیں عبادات، اخلاقیات، معاملات، معاشرت، معیشت کو۔ عبادات میں نماز، ذکر،تلاوت، روزہ، حج، جہاد، دعا، قربانی، خیرات وصدقات وغیرہ آتے ہیں اور اخلاق نام ہے سچائی، صبر، شکر، دیانت، احسان، ایفائے عہد، حسنِ خُلق اور حسنِ سلوک کا۔ اسی طرح معاملات بھی عمل کا ایک حصہ ہیں کہ کونسا معاملہ درست کونسا غلط اور نا جائز ہے، کونسا طریقہ آمدن جائز اور کونسا نا جائز ہے، کمانے کا طریقہ کیا ہے اور خرچ کرنے کا طریقہ کیا ہے؟۔ معاشرت کہتے ہیں زندگی گزارنے کے طریقے کو، کہ ایک انسان خصوصاً مسلمان ایک سوسائٹی میں زندگی گزارتا ہے، تو ان اعمال کو بجالانے کے لیے ایک ضروری شرط جس کے بغیر عبادات قبول نہیں ہوتیں وہ یہ ہے کہ تمام عبادات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو صرف عمل کرنا مطلوب نہیں، بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے طریقے پر ادا ہو اور جس پر سنت کی مہر لگی ہو۔ جس طرح کسی ملک کا سکہ (روپیہ) اس وقت تک خرید وفروخت کے قابل نہیں ہوتا جب تک

اُس پر مرکزی بینک کی مہر نہ ہو ورنہ وہ جعلی اور نقلی تصور کیا جائے گا اور برآمد ہونے پر متعلقہ شخص مجرم قرار دیا جائے گا اور اُسے سزا دی جائے گی۔اسی طرح وہ عمل جو سنت طریقے کے مطابق نہ ہو، صرف نا قابلِ قبول ہی نہیں، بلکہ اس پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مواخذہ بھی کریں گے۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ عَمَلاً بِغَيْرِ سُنَّتِنَا۔ [جامع الصغیر]

"وہ ہم میں سے نہیں (اس کے اُمتی ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں)، جو ہماری سنت کی بجائے اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔"

جو عمل اور عبادت سنت کے خلاف کیا جائے، دین میں اُسے بدعت کہا جاتا ہے جو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔ [مشکوٰۃ]

"دین میں ہر وہ نئی بات اور کام (جو ثواب کی نیت سے کیا جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے"

یعنی وہ کام اور طریقہ جس کا حکم قرآن میں نہ ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے نہ کیا ہو، نہ ہی تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے اُس کا ثبوت ملتا ہو اور کوئی آدمی دین اور عبادت سمجھ کر اِسے ثواب کی نیت سے کرتا ہو تو وہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہے۔بہر حال اعمال اور عبادات کی قبولیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے مشروط ہے۔

یہ تو ہے وہ ذمہ داری جو ایک مسلمان پر انفرادی حیثیت سے اصلاحِ نفس کے سلسلہ میں عائد ہوتی ہے یعنی ایمان وعقیدے کی درستی و پختگی اور عمل کا درست کرنا۔اسی کو ہم اصلاحِ فرد کہتے ہیں اور اسی چیز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانے کی اصلاح معاشرہ اور تشکیلِ معاشرہ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان ہی دو باتوں پر محنت کی تب جا کر ایک پاک، صاف اور معیاری

معاشرہ وجود میں آیا، لیکن افسوس کہ آج تقریباً تمام مذہبی پیشوا اور سیاسی رہنما، اصلاح معاشرہ کے لئے تگ ودو کرنے والے، اسلامی ریاست اور خلافت کے قیام کے لئے جدو جہد کرنے والی جماعتیں، ادارے اور انجمنیں اس بات پر توجہ ہی نہیں دیتیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں۔ اس کی مثال اس معمار کی ہے جو عمارت تو بناتا ہے، لیکن بنیاد کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتا یا بنیاد کو مضبوط بنانے پر توجہ ہی نہیں دیتا۔ یہ طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طرزِ اصلاح سے بہت مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاح کی کوشش کے باوجود اصلاح نہیں ہوتی۔

اصلاح کا طریقہ اور راستہ:

سوال یہ ہے کہ اب اِس ایمان اور عمل کی اصلاح کے لئے کونسا طریقہ اور راستہ اپنایا جائے۔ کیا ہم کہیں غاروں یا جنگلوں میں جا کر چِلّہ کشی کریں، دنیا کو ترک کریں، اپنی اولاد، بیوی بچوں اور کاروبار کو چھوڑ کر کسی مولوی اور پیر فقیر کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں یا اس کے لیے اس عمر میں مدارس میں جا کر ابتدائی درجات سے لے کر آخر تک درسِ نظامی کا کورس پڑھیں یا کسی مولوی، پیر یا امیر صاحب کی کتاب کا ورد شروع کریں یا تسبیح ہاتھ میں لے کر صرف ذکر اور دعا سے اپنی اصلاح کریں؟

اصلاح کا بہترین طریقہ اور ایمان و عمل کی پختگی کا اہم راستہ بتائیں جس کے ذریعے اسلام کی ابتدائی اور اولین جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی اصلاح ہوئی جس سے اُنھوں نے ایمان اور عقیدہ سیکھا اور اپنا عمل درست کرکے اور ایسی ہدایت پائی کہ خود مالکِ عرش نے ان کے ہدایت یافتہ ہونے کا اعلان کیا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔ [حجرات: ۷] "یہی لوگ کامیاب ہیں"

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ [بقرہ:] "یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا [انفال: ۴] "یہی لوگ سچے مومن ہیں"

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔ [انعام: ۹۰]

"یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔"

وہ راستہ اور طریقہ صرف اور صرف قرآنِ پاک ہے جو تمام دنیا کے لوگوں کے لیے تا ابد ہدایت کا ذریعہ اور ضامن ہے اور صرف برائے نام ہدایت ہی نہیں، بلکہ ایسی ہدایت اور اصلاح کہ اُس جیسی اصلاح اور ہدایت سے دنیا عاجز ہے۔

الغرض ایمان، عقیدے اور عمل کی اصلاح کا ذریعہ قرآن پاک ہے۔ آج کل جس قدر ہر طرف بد عقیدگی اور بد عملی نظر آرہی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے نعروں اور کوششوں کے باوجود اس کی اصل وجہ قرآن سے دوری، بے خبری اور قرآن کے پیغام سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

ہمارا کام:

ہمارا کام رجوع الی القرآن کی تحریک کی آبیاری کرتے ہوئے دروس قرآن کے ذریعے مسلمانوں کے عقیدے اور عمل کو خالص قرآن و سنت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈالنے کی کوشش کرنا ہے اور اس کے لیے مساجد ومدارس، سکول و کالج، یونیورسٹی و دفاتر، محلوں اور علاقوں میں، گھر میں یا گھر سے باہر، الغرض ہر جگہ دروس قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ہمارا حال اور جائزہ:

بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے قرآن و سنت کے ذریعے اپنی یا دوسروں کی صحیح اصلاح کی ہو اور اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہوں، لیکن مسلمانوں کی اکثریت کا حال بد سے بدتر اور ہر شعبہ زندگی میں غیروں کی نقالی ہے۔ عقیدہ سراسر قرآن کے منافی، عمل میں غیروں کی نقالی، ترک نماز، بے دینی، فحاشی و عیاشی، بے حیائی و بے غیرتی، جھوٹ، خیانت، دھوکہ، ظلم و فساد اور بد اخلاقی عام ہے۔ اسی طرح ہماری معاشرت، ہمارا رہن سہن، لباس، شکل و صورت، رسم و رواج، تقریبات، کلچر و تہذیب، شادی غمی، غرض انفرادی و اجتماعی زندگی کے تقریباً ہر پہلو میں اسلامی تعلیمات سے ہٹ کر غیروں کی خصوصاً یورپ کی تقلید کی جارہی ہے۔ علمی اور عملی ہر میدان میں یورپی اقوام کی نقالی کو بطور افتخار اختیار کر لیا ہے۔

یہ ہمارے مسلمانوں کا حال ہے، خواہ ہم زبان سے مسلمانی کے کتنے ہی بڑے دعوے کیوں نہ کریں۔ ہمارے یہ عقائد، زندگیاں اور عمل گواہی دے رہے ہیں کہ دین اسلام کا کوئی

طریقہ ہمیں پسند نہیں اور اس کے کسی بھی قانون میں ہم اپنی فلاح و نجات تصور نہیں کرتے۔ افسوس صد افسوس۔ یہی اصل وجہ ہے کہ وہ معزز مسلمان جن کا رعب اور دبدبہ ہوا کرتا تھا وہ خود اب کفر کی طاقت کے خوف سے لرز رہے ہیں۔ جس کا مداوا صرف یہ ہے کہ پہلے قرآنِ پاک کی تعلیمات سے اپنی ذاتی اور انفرادی ایسی اصلاح کریں جو مطلوب ہے اور جس سے انسان ایک حقیقی مسلمان بن سکتا ہے اس کے بعد اجتماعی اصلاح کے لئے اُٹھ کر میدان میں آئیں۔

اجتماعی ذمہ داری:

انفرادی اصلاح کے بعد دوسری اہم ذمہ داری اجتماعی ذمہ داری یا اجتماعی اصلاح کے لئے حقیقی جدوجہد کرنا ہے۔ لیکن بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح ہم نے پہلی ذمہ داری میں کوتاہی کی ہے اور کر رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ کوتاہی اجتماعی ذمہ داری کے معاملہ میں برت رہے ہیں۔ اسلام چونکہ خیر خواہی کا دین ہے دیگر مذاہب اور ادیان کی طرح خود غرضی کا مذہب نہیں۔ اسلام میں اگر ایک مسلمان اپنا فائدہ چاہتا ہے تو وہ دوسرے کے لئے بھی ایسا ہی سوچے گا۔ اب اگر ایک مسلمان کی انفرادی اصلاح ہو گئی، اُس نے اپنا عقیدہ اور عمل سمجھ کر اپنالیا تو اب اس پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کے عقیدہ اور عمل کی اصلاح کرے اور انہیں اللہ کے دین، قرآنی تعلیمات اور نبوی سنت سے آگاہ کرے۔ یہی اس دین کا طرۂ امتیاز اور خصوصیت ہے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ! لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِکِتَابِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ۔

[بخاری کتاب الایمان]

"دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس کے لیے خیر ہواہی ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا" اللہ کے لیے، اُس کے رسول کے لیے، اُس کی کتابوں کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے"۔

یعنی دین اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، قرآن حکیم، مسلمانوں حکام و اُمراء کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔ اللہ کے

ساتھ خیر خواہی کا مطلب اللہ پر ایمانِ کامل یعنی اُس کی ذات و صفات میں کسی بھی مخلوق کو شریک نہ ٹھہرانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اُن کے احکامات کو ماننا، سنت پر عمل کرنا، اطاعت کرنا اور کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی اُس کو خود سمجھنا، اُس پر عمل کرنا اور دوسروں کو سمجھانا، بیان کرنا اور اُسے اپنی زندگی کا قانون بنانا ہے۔ مسلمان اُمراء و حکام اور بادشاہوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ جب وہ اللہ کے دین کو قائم و نافذ کر رہے ہوتے ہیں تو اُن کی اطاعت اور تابعداری کرنا اور اُن کے ساتھ تعاون کرنا، جبکہ عام مسلمانوں سے خیر خواہی کا مطلب اُن کو فائدہ پہنچانا، نقصان سے بچانا اور بُرے بھلے وقت میں کام آنا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اُن کی اصلاح کرنا، اُن کو حقیقی اسلام سے روشناس کرانا ہے۔ اِسی اعلیٰ ذمہ داری کو پورا کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو خیر اُمت قرار دیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [آل عمران : ۱۱۰]

"تم بہترین اُمت ہو اس لئے کہ تم لوگوں کے فائدہ اور خیر خواہی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔"

ذاتی و انفرادی ذمہ داری اور اصلاح بنیاد اور اساس ہے جس کے بغیر مسلمانی کا تصور غلط اور مسلمان ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس کے علاوہ ہم پر جو ایک بہت بڑی اور بھاری اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم تمام دنیا کے سامنے اس حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوں جس پر ہمارا ایمان ہے، جس کے ہم دعویدار ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ [بقرۃ: ۱۴۳]

" ہم نے تمہیں بہترین، عادل اور وسط اُمت بنایا ہے (اور وہ بہتری تب ہو گی کہ) تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں۔"

اب اس ذمہ داری کو جو بھی نام دے دیا جائے، خواہ اجتماعی ذمہ داری کہیں یا اجتماعی اصلاح یا قرآن کی زبان میں شَهَادَتُ عَلَى النَّاس یا شَهَادَتِ حق۔ قرآن نے اسے اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی کہا اور دعوتِ حق و اقامتِ دین بھی قرار دیا ہے۔

اِس ذمہ داری اور شہادتِ حق کی اہمیت:

یہی وہ ذمہ داری ہے جو اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا مقصد اور خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں نے پورا کرنا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا عائد کردہ فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ [نساء ۱۳۵]

"اے ایمان والو انصاف کے علمبردار ہو کر اللہ تعالیٰ کے واسطے گواہ بنو۔"

بلکہ صرف حکم ہی نہیں تاکید کے ساتھ بھی فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔ [بقرة: ۱۴۰]

"اور اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔"

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ [آل عمران: ۱۰۴]

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، لوگوں کو معروف (توحید وسنت اور ہر نیک کام) کا حکم دے اور منکر (شرک وبدعت اور ہر بُرائی) سے روکے۔"

اِن آیات میں انفرادی و اجتماعی دونوں ذمہ داریوں کی طرف اشارہ ہے تم خود بھی ایمان والے رہو، کیونکہ دوسروں کی اصلاح اور ان پر شہادتِ حق تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ انسان خود اصلاح والا ہو اور شہادت علی النّاس کے لائق ہو۔

قرآن پاک میں ایک دوسری جگہ اسی ذمہ داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پر زور الفاظ میں اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ اگر تم نے یہ ذمہ داری پوری نہ کی تو تم اللہ کے ہاں کچھ بھی نہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ [مائدہ: ۶۸]

"اے کتاب والو! تم اللہ کے ہاں اُس وقت تک کچھ بھی نہیں ہو، جب تک تم تورات، انجیل اوراِس کتاب کوجو تمہاری طرف اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئ یعنی قرآن، کواپنے اِس زمانے میں قائم اور جاری نہ کروگے۔"

اللہ کی کتاب کی اقامت کا مطلب قرآن کو عام کرنا،اسے قائم و نافذ کرنا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ یہ چندآیات تھیں جن میں ذمہ داری اور شہادتِ حق کا تاکیدی بیان تھا۔ اب اگر امت مسلمہ اس ذمہ داری کو نبھانے میں غفلت سے کام لے گی تو ہلاکت اور ذلت ہمارا مقدر بن کر رہے گی، جیسا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب کا مشاہدہ ہے۔ قوم یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ [بقرہ: ۴۲]

"اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ اس حق کو چھپاؤ، بلکہ اس کی گواہی دو، کیونکہ تم تو سمجھنے والے ہو"

مگر اُنھوں نے کچھ تواِس حق کو چھپایا، کچھ کو گڈ مڈ کیااور کچھ میں حق کے خلاف گواہی بھی دی، اپنی اس بڑی اور بھاری ذمہ داری کو پورا نہیں کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انھیں ذلیل وخوار کیااوراُن پر پھٹکار پڑی۔

قرآن کاارشاد ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ [بقرة: ٦١]

"ذلت و خواری اور پستی و بدحالی اُن پر مسلط ہوگئ اوروہ اللہ کے غضب میں گھر گئے"

اب اس شہادتِ حق کی ذمہ داری ہم اورآپ پر ڈالی گئ ہے کیونکہ اِسی کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس کا ادا کرنا ان پر فرض تھا۔ پھر یہی شہادت تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے اُمتیوں پر فرض ہوتی رہی اور اب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمہ داری اُمتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی اِسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی میں شخصی حیثیت سے عائد تھی۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالی نے اس لئے انبیاء

علیہم السلام پر اور پھر امتوں پر رکھی تاکہ لوگوں پر حجّت قائم کریں ورنہ لوگوں کا بہانہ اور حجت اُلٹا اِن پر قائم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت کا جو علم اُن حضرات علیہم السلام کو دیا تھا اور جو صحیح طریقہ ٔ زندگی اُس ذاتِ باری تعالیٰ نے اُن کو بتایا تھا وہ انہوں نے ہمیں پہنچایا یا نہ سکھایا۔ جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے کہ: لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ [بقرہ:]

"اس لیے کہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں کے پاس عذر باقی نہ رہے"۔

یہی وجہ تھی کہ انبیاء علیہم السلام اپنے اُوپر اس ذمہ داری کے بار کو شدّت کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اس بناء پر اُنھوں نے اپنی طرف سے حق کی شہادت ادا کرنے اور لوگوں پر حجت تمام کردینے کی جان توڑ کوششیں کیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے جن لوگوں نے حق کا علم اٹھایا اور اصلاح وہدایت کا راستہ پایا وہ ایک اُمت اور جماعت بنتی گئی اور وہی منصبِ شہادت کی ذمہ داری جس کا بار انبیاء علیہم السلام پر ڈالا گیا تھا اب اس اُمت کے حصے میں آئی۔ انبیاء علیہم السلام کی قائم مقام اور وارث ہونے کی حیثیت سے اس کی یہ شان قرار پائی کہ اگر یہ اُمت شہادت کا حق ادا کرے اور لوگوں کی اصلاح کریں تو یہ لوگ اجر پائیں گے ورنہ انکار کرنیوالے لوگ پکڑے جائیں گے۔ اور اگر اُمت اس ذمہ داری میں کوتاہی کرے، حق چھپائے یا اُلٹا باطل کی شہادت دینے لگے تو عام لوگوں سے پہلے ان کو دھتکارا جائے گا۔ اس سے خود ان کے اعمال کی باز پرس بھی ہوگی اور اُن لوگوں کے اعمال کی بھی کہ اِس کی صحیح شہادت نہ دینے ، ذمہ داری پوری نہ کرنے یا غلط شہادت دینے کی وجہ سے وہ گمراہ و مفسد اور غلط کار رہے۔

یہ ہے شہادتِ حق یا اجتماعی اصلاح کی وہ نازک ذمہ داری جو ہم سب لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو خود کو اُمتِ مسلمہ کہتے ہیں۔ اور جن کے پاس اللہ کی کتاب اور اس کے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت اور تعلیمات پہنچ چکی ہیں۔ اِس اجتماعی ذمہ داری اور اصلاح کے سلسلے میں دو کام کرنا بہت اہم ہیں۔ اولاً: دین کی دعوت، ثانیاً دین کی اقامت۔ جس کو قولی اور عملی شہادت بھی کہتے ہیں۔

دعوتِ دین یا قولی شہادت :

دعوتِ دین یا قولی شہادت کی صورت یہ ہے کہ زبان و قلم ، تقریر و تحریر، قرآن کا درس و تدریس، تصنیف و تالیف، الغرض اصلاح اور تفہیم کے تمام ممکن ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت کریں اور دنیا کو اس دینِ حق سے روشناس کرائیں جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی شریعت نے انسان کے لئے مقرر کیا ہے۔ ان تمام ذرائعِ دعوت و اصلاح میں سب سے اعلیٰ اور بہتر ذریعہ اصلاح و دعوت ، قرآنِ پاک ہے۔ اِس دعوت کے دوران سب سے پہلے وہ ایمان اور عقیدہ کی اصلاح ہے جو اسلام کی اساس ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کی ابتداء اسی سے کی اور اسلام کی اوّلین جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر سب سے پہلے یہی محنت ہوئی ۔حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں یہی مسئلہ سمجھایا جاتا رہا اور اسی پر محنت ہوئی اور اُمت کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ دعوت سکھایا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنہیں دعوت کی یہ تدریج بتائی کہ

فَلْيَكُنْ اَوَّلُ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلٰى اَنْ يُّوَحِّدُوا اللهَ تَعَالٰى [مسلم]

”ان لوگوں کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلانا۔“

فکر و اعتقاد بننے اور پختہ ہونے کے بعد عبادات ، اخلاق و سیرت ، کسبِ معاش، لین دین ، تہذیب و تمدن ، معاشرت ، قانون اور نظمِ عدالت، سیاست و تدبیرِ ریاست کے تمام دوسرے پہلو جو دین نے انسان کی رہنمائی کے لئے پیش کیے ہیں انہیں بلا خوف و خطر، بلا کم و کاست ، دلائل و شواہد کے ساتھ بیان کرنا، اس کی دعوت دینا اور رد منکر کا فریضہ ادا کرتے رہنا۔ اور اس دعوتِ حق اور ہدایتِ خَلق کے لئے تمام اُمت مجموعی طور پر اسی طرح فکر مند ہو جس طرح انبیاء علیہم السلام انفرادی طور پر اس کے لیے بغیر کسی لالچ اور دنیاوی طمع کے فکر مند رہا کرتے تھے۔

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ [ھود: ۲۹]

”اور اے قوم میں اس بیان کے بدلے تم سے مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں میرا صلہ تو اللہ کے ذمہ ہے“۔

اس حق کے ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام ہماری تمام اجتماعی کوششوں اور سعی وجہد کا مرکزی نقطہ ہو۔ ہم اپنے دل ودماغ کی ساری قوتیں، مالی وجانی ووقتی صلاحیتیں اور اپنے سارے وسائل وذرائع اس پر صرف کر دیں، حتیٰ کہ ہمارے تمام کاموں میں یہ مقصد لازم و ملحوظِ خاطر رہے۔ ہمارا لٹریچر اور ہماری صحافت اس کی خوبیوں کی سند پیش کرے۔ ہمارے منبر ومحراب سے اس حق کی صدائیں بلند ہوں۔

اقامتِ دین یا عملی شہادت:

اجتماعی اصلاح کے سلسلے میں زبانی دعوت کے ساتھ ساتھ اس دینِ حق کو اپنے آپ پر عملاً نافذ کریں۔ دنیا صرف ہماری زبان ہی سے ان کی صداقت کا تذکرہ نہ سنے بلکہ اپنی انکھوں سے خود ہماری زندگیوں میں اس کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کرے۔ ہم خود بھی اور غیر بھی یہ دیکھ لیں کہ اس دین اور قرآن کی رہنمائی میں کیسے اچھے انسان بنتے ہیں، انصاف پسند سوسائٹی تیار ہوتی ہے، کیسا صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے، کس قدر ستھرا اور پاکیزہ تمدن پیدا ہوتا ہے، کیسا منصفانہ، ہمدردانہ اور بے نزاع معاشی انقلاب رونما ہوتا ہے اور انفرادی واجتماعی زندگی کا ہر پہلو کس طرح سُدھر اور خیر و خوبی بھلائیوں سے مالامال ہو جاتا ہے۔ اس اقامتِ دین یا شہادتِ عملی کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ ہم فرداً فرداً دینِ حق، قرآن و سنت اور شریعت کو اپنے بدن پر نافذ کریں۔ ہمارا عقیدہ، اعمال، اخلاق، معاملات و معاشرت اور شکل و صورت شریعت کے مطابق ہوں اور ہمارے افراد کا کردار اس کی صداقت کا ثبوت دے۔ پھر اپنے گھروں، محلوں اور علاقوں میں اس دینِ حق کی اقامت کے لئے ایسی منظّم جدوجہد شروع کریں کہ ہمارے گھر اس کی خوشبو سے مہکیں، ہماری دکانیں، کارخانے اور کاروبار اس کی روشنی سے جگمگائیں، ہمارے ادارے اور ہمارے مدرسے اس کے نور سے منوّر ہوں۔ ہماری قومی پالیسی، اجتماعی سعی و جہد اور سیاست وریاست اس کے برحق ہونے کی روشن دلیل ہوں۔ تب ہم اور دنیا والے بھی اس دینِ حق کی اقامت کی خوبیوں اور برکتوں کا مشاہدہ کر سکیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔ [مائدہ: ٦٦]

"اگر یہ لوگ تورات، انجیل اور وہ کتاب (قرآن) جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجی ہے اس کی اپنے زمانے اقامت کرتے تو یہ لوگ اُوپر اور نیچے سے رزق پاتے۔"

یعنی ان پر ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے انعام و برکات کی بارش ہوتی۔ آج اگر ہر طرف پریشانی، بدحالی، دنگا فساد ہے اور ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر ذلیل و خوار ہیں تو اس کی وجہ اسی دعوتِ حق اور اقامتِ دین سے اعراض ہے۔ اقامتِ دین اور نفاذِ دین کی یہ ذمہ داری صرف ایک نفلی کام اور کارِ ثواب ہی نہیں کہ اگر ہم اس کو پورا کریں تو ثواب مل جائے گا اور چھوڑ دیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ ذمہ داری ہم پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس کو تاکیدی امر کے ساتھ پہلے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہر مسلمان کو مخاطب کرکے حکم فرماتا ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ [نساء: ١٠٥]

"بے شک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچی کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔"

اگر ہم اپنی ذاتی، گھریلو، انفرادی یا اجتماعی زندگی میں اس دینِ حق کے علاوہ کوئی دوسرا دین، طریقہ یا ازم اپنے آپ پر نافذ کریں گے تو وہ اللہ کے ہاں قابلِ قبول ہی نہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ [آل عمران: ٨٥]

"اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا طلب گار ہو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

کیونکہ جس دین کا نفاذ اور اقامت، جس دین کو اپنانا اور عمل میں لانا اللہ تعالیٰ کو منظور اور مطلوب ہے وہ دین اسلام ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ۔ [آل عمران:۱۹]

"اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف اسلام ہی ہے"۔

یعنی بحیثیت دین اگر اللہ کو تو صرف اور صرف دین اسلام مقبول ہے اور کوئی نہیں۔

ان دونوں شہادتوں یعنی دعوت واقامتِ دین کا جائزہ :

ہمارے ہاں ایسوں کی تعداد بہت کم ہو گی جو کہیں انفرادی طور پر زبان و قلم سے دینِ کامل کی دعوت اور شہادت دے رہے ہوں گے۔ اور پھر ان میں بھی وہ لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جو اس فرض کو اس طرح ادا کر رہے ہوں جیسا کہ اس کے ادا کرنے کا حق ہے۔ اگر ان تھوڑے سے لوگوں کو الگ کر لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مسلمانوں کی عام دعوت، محنت اور شہادت، اسلام کے حق میں نہیں، بلکہ اس کے خلاف جارہی ہے یا کم از کم اس طریق کے مطابق نہیں جو شریعت اسلامی کا وضع کردہ ہے۔ عقائد کا بگاڑ، اعمال کی خرابی، اخلاق اور کردار کی بربادی عام ہے، ، معاملات و معاشرت بد سے بدتر ہو رہی ہے، منکرات کا ہر طرف زور ہے۔ مصلحین مصلحتوں کے شکار ہوگئے ہیں، رہبر ورہنما اپنی لیڈری کو بچانے کی فکر میں ہیں، منکر کو منکر کہنا مشکل ہوگیا ہے اور جو بندۂ خدا منکر کو منکر کہتا ہے اس کو متشدد ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، اکثریت نے ردِ منکر اس ڈر سے بھی چھوڑ دیا ہے کہ منکر کو منکر کہیں گے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، پھر چندے نہیں ملتے، ووٹ نہیں ملتا، کاروبار خراب اور بند ہو جاتا ہے، لوگ تعلقات ختم کرتے اور قطع تعلق کرتے ہیں، باطل کو غلط اور ظلم کو ظلم کہیں گے اور اس کے خلاف آواز بلند کریں گے تو پھر دنیا ہمیں دہشت گرد اور انتہا پسند کہے گی۔ یہ تو ہماری دعوت کا حال ہے اور دوسری طرف اقامتِ دین اور عمل بالدّین کا حال اس سے بھی بدتر ہے۔ ہمارے عقائد اور اعمال یہی گواہی دے رہے ہیں کہ ہم دین سے آزاد ہیں۔ اللہ کی خالص بندگی کو شرک کی غلاظت سے مکدر کر دیا ہے، ہر در و دیوار پر جھک رہے ہیں، ہر کسی کے سامنے عاجزی کے ساتھ ہاتھ پھیلا رہے ہیں، ہر شجر و قبر کو سجدہ ہے، اللہ کی تعظیم غیر اللہ کو دی جارہی ہے، ہر عاجز مخلوق سے اپنی اُمیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں، ہر ایرے غیرے سے اولاد و برکات کی طمع ہے، ہر چیز سے

خدا جیسا خوف ہے۔

اعمال و عبادات کا حال یہ ہے کہ ہر عمل و عبادت شریعت یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر غیروں کے طریقوں پر جاری ہے، عبادات، شادی و غمی الغرض ہر عمل میں اپنی طرف سے نئی نئی بدعات، خرافات اور رسومات کی پابندی ہے۔ ہم پھر یہ کہتے ہیں کہ ہماری شکل و صورت، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ہمیں دینِ اسلام عملاً پسند نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک کافر اور مسلمان کے درمیان ظاہراً کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

ہمارے معاملات اور معاشرت اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ہمیں اسلام کی بجائے غیروں کا نظامِ معاملات اور معاشرت پسند ہے۔ ہماری سیاست اور حکومتیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ہم دین اسلام کو کامل نہیں سمجھتے۔ ہماری عدالتیں، ہمارے وکیل، جج اور مجسٹریٹ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ اسلام کے سارے ہی قوانین غلط ہیں، بلکہ اسلامی قانون کا بنیادی نظریہ ہی قابلِ قبول نہیں۔ صحیح صرف وہ قوانین ہیں جو انسانوں نے وضع کیے ہیں اور جو روس و چین کے ملحدوں، یورپ کے مادر پدر آزاد انگریز اور امریکہ سرکار کی معرفت ہمیں پہنچے ہیں۔ ہمارے لیڈر شہادت دے رہے ہیں کہ ان کے پاس بھی قومیت اور وطنیت کے وہی نعرے ہیں، وہی قومی مقاصد ہیں، قومی مسائل کو حل کرنے کے وہی رنگ ڈھنگ ہیں، سیاست اور دستور کے وہی اُصول ہیں جو کفار کے پاس ہیں۔ اسلام نے اس بارے میں کوئی رہنمائی نہیں کی جس کی طرف ہم رجوع کریں۔ اس سے زیادہ افسوس اُن مذہبی رہنماؤں اور لیڈروں پر ہے جو اسلام اور نفاذِ اسلام کا نام تو لیتے ہیں، لیکن اس کے لیے راستہ وہی مغربی جمہوریت کا اختیار کرتے ہوئے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ اسلام تو قابلِ نفاذ ہے، لیکن نفاذ کا راستہ وہی یورپ کا رہے گا یعنی مغربی سیاست و جمہوریت۔ اور حد یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی رہی سہی آزاد یا نیم آزاد حکومتیں موجود ہیں وہاں بھی ہم نے اساسِ حکومت، نظامِ حکومت اور مجموعہ قوانین کفار سے لیے ہیں اور اگر کہیں اسلام کے نام کا قانون ہے بھی تو وہ ترمیم کے بغیر نہیں، بلکہ برائے نام ہے۔

ہمارے تعلیمی ادارے، ہمارے معلم اور پروفیسر صاحبان یہ شہادت دے رہے ہیں کہ فلسفہ وحکمت، تاریخ واجتماعیات، معاشیات وسیاسیات اور قانون واخلاق کے متعلق وہی پالیسی اور نظریات بر حق ہیں جو مغرب کی ملحدانہ تعلیم سے ماخوذ اور لاڈ میکالے کے پیش کردہ ہیں جس نے اس نظام تعلیم کو پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

" ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوں اور دل ودماغ کے اعتبار سے فرنگی۔"

ہمارے ادیبوں اور سکالروں کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس ادب کا وہی پیغام ہے جو امریکا، برطانیہ، فرانس اور روس کے گمراہ اور دہریہ ادیبوں کے پاس ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے ادب کی سرے سے کوئی مستقل روح ہی نہیں ۔جبکہ ہمارے پریس، الیکٹرانک میڈیا اور تمام ذرائع ابلاغ کا حال وہی ہے جو غیر مسلموں کا ہے۔وہی مباحث، مسائل اور پروپیگنڈے کے وہی انداز ہیں جو اُن کے ہیں۔لوگوں کو بڑے غیر محسوس انداز میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر سیکولر ذہنیت رکھنے والے قلم کاروں، دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کے ذریعے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ یہ اسلام کا نام لینے والے اور اس کے طریقوں پر چلنے والے بڑے دقیانوسی خیالات کے مالک ہیں اور لوگوں کو جدید دنیاوی علوم سیکھنے سے روک کر چودہ سو سال پہلے کی سوچ دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ محض ایک منفی پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں۔در حقیقت دین اور دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہیے مگر ان دونوں میں دین کو بنیاد ہونا چاہیے۔

ہمارے تاجر اور اہل صنعت وحرفت کا یہ خیال ہے کہ اسلام نے لین دین کی جو حدود قائم کئے ہیں وہ ناقابل عمل ہیں اور کاروبار صرف انھی طریقوں پر ہو سکتا ہے جن پر کفار عمل پیرا ہیں ۔ صاحب جائیداد ،زمین دار اور جاگیر دار اسلام کے قانونِ وراثت و تقسیم کو غلط اور جاہلیت کے رواج کو صحیح کہتے ہیں۔

ہمارے بعض علماء اور پیروں کا بھی وہی رویہ اور کردار ہے جو یہود ونصاریٰ کے احبار و رہبان کا تھا۔ باقی رہے ہمارے عوام تو اُن کے پاس اپنی زندگی کا مصرف دنیا اور اس کے معاملات

کے سوا کچھ نہیں اور وہ کوئی ایسا دین رکھتے ہی نہیں جس کی طرف وہ اپنی زبان سے دعوت دے سکیں یا اپنے بدن اور دیگر صلاحیتوں کو اس دین کے لیے خرچ کر سکیں یا اس کے لیے کچھ وقت ہی صرف کریں۔ خواتین کا حال مردوں سے بھی کئی گنا بدتر ہے۔ اُن کے عقائد اکثر مشرکانہ، جاہلانہ توہمات اور غلط قسم کے ٹونوں، ٹوٹکوں کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگی کا رہن سہن، شادی بیاہ، خوشی و غمی ہندوانہ رسم ورواج کا آئینہ دار ہوتی ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان خواتین لباس اور زیور میں کافر و مشرک خواتین کی پیروی کرتی ہیں، ان کی مجالس غیبتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ نمازیں غارت کرتی رہتی ہیں، روزے چھوڑتی چلی جاتی ہیں، زیور کی حرص ہے مگر زکوۃ کا دھیان نہیں، حالانکہ غیر اسلامی کاموں میں آگے ہیں مگر آخرت کی ذرہ برابر بھی فکر نہیں۔ مسلمان عورتوں کی گود میں سالانہ ہزاروں بچے پرورش پاتے ہیں، مگر ان بچوں کو نہ دین سکھایا جاتا ہے نہ ان کو دین کے لیے بہادری پر ابھارا جاتا ہے۔ لڑکے اچھی خاصی لڑکیاں بنے ہوئے ہیں۔ افسوس کہ لڑکیوں کو بھی مانگ چوٹی کی اتنی فکر نہیں جس قدر فیشن، بال اور ٹپ ٹاپ کا خیال لڑکوں کو ہو گیا ہے، ماں باپ اور بچے سب اس دھن میں ہیں کہ کسی طرح انگریز بن جائیں، کاش مسلمان نہ ہوتے، مسلمان بن کر تو مولوی صاحب کے فتووں کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اسلام کی ناگہانی مصیبت کو کیونکر روکا جائے، نہ مسلمان ہوتے نہ پردے کی پابندی کے لیے کوئی کہتا، نہ کلب جانے سے کوئی روکتا، نہ ایکٹریس بننے کی ممانعت کی جاتی اور نہ تصویریں چھاپنے سے کوئی باز رکھتا، یہ خیالات ہیں مسلمان کہلانے والوں کے (معاذاللہ)۔ چھوٹے بڑے سب انگلش فیشن میں غرق ملیں گے لڑکیوں کے سروں پر دوپٹہ نہیں ہوگا، فراک بلاآستین ہونگے، آدھا سینہ اور آدھی کمر ننگی اور عریاں ہو گی۔

یہ ہے ہماری اقامت دین اور عملی شہادت کا جائزہ جو تمام دنیا کے مسلمان تقریباً متفق ہو کر اسلام کے خلاف پیش کر رہے ہیں سوائے کچھ اللہ کے بندوں کے۔ ہمارے اسی حال کو دیکھ کر ایک یورپی مصنف لارنس براؤن اپنی کتاب "The Prospects of Islam" میں اسلام سے متعصبانہ ذہنیت کے ساتھ طعنہ دیتا ہے کہ "ہم نے جب ہندستان میں اسلام کے

دیوانی اور فوجداری قوانین کو دقیانوسی اور ناقابل عمل سمجھ کر منسوخ کیا تھا اور مسلمانوں کے لیے صرف ان کے پرسنل لاز کو رہنے دیا تھا تو مسلمانوں کو یہ سخت ناگوار ہوا تھا کیونکہ اس طرح ان کی پوزیشن وہی ہوئی جاتی تھی جو کبھی اسلام کی حکومت میں ذمّیوں کی تھی لیکن صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں نے اسے پسند کر لیا ہے، بلکہ خود مسلمان حکومتوں نے بھی اس معاملے میں ہماری تقلید کی ہے۔ ترکی اور البانیہ نے تو اس سے بھی تجاوز کر کے قوانین نکاح، طلاق وو راثت تک میں بھی ہمارے معیارات کے مطابق 'اصلاحات' کر دی ہیں۔ اب یہ بات کھل گئی ہے کہ مسلمانوں کا یہ تصور کہ قانون کا ماخذ کتاب الٰہی ہے، ایک مقدس افسانے سے زیادہ کچھ نہ تھا۔" بہر حال ہم غیروں کا ہنسی مذاق ہو گئے اور اللہ کی سزا کے مستحق بھی ہوئے۔ یہ دین اور اس کی یہ ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی، لیکن ہم نے اس نعمت کو ٹھکرایا اور جب کوئی قوم اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتی اور اس کے بے پروائی کرتی ہے اور اپنے خالق سے غداری کرتی ہے تو اللہ دنیا میں بھی اس کو عذاب دیتا ہے اور آخرت میں بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دین حق کی شہادت دینے میں جتنی کوتاہی کرتے چلے گئے اور باطل کی شہادت ادا کرنے میں ہمارا قدم جس رفتار سے آگے بڑھا ہے ٹھیک اسی رفتار سے ہم گرتے چلے گئے اور جا رہے ہیں۔ آج یہ بات مشاہدہ ہے کہ مسلمان قومیں ایک ایک کر کے مغلوب اور محکوم ہوتی چلی گئیں آج کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کا حال ہمارے سامنے ہے۔ اب مسلمان کا نام فخر و عزت کا نہیں بلکہ ذلت و مسکنت اور پسماندگی کا نشان بن گیا۔ دنیا میں ہماری کوئی آبرو باقی نہ رہی۔ کہیں ہمارا قتل عام ہو رہا ہے، کہیں ہم گھر سے بے گھر کیے جا رہے ہیں، کہیں ہم کو چاکری اور خدمت گاری کے لیے زندہ رکھا گیا ہے۔ بہر حال ہم نے اپنی اس حالت پر سوچا ہی نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں نے اس معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کو یہی باور کرایا جا رہا ہے کہ تمہارے اصل مسائل تحفظ قوم اور مادی ترقی ہیں۔ نیز یہ حضرات ان مسائل کے حل کی تدبیریں بھی مسلمانوں کو وہی کچھ بتا رہے ہیں جو انہوں نے غیر مسلموں سے سیکھی ہیں، لیکن مَیں بڑے یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کی بالکل غلط رہنمائی کی

جارہی ہے اور ان راہوں پر چل کر آپ کبھی بھی اپنی فلاح کی منزل کو نہ پہنچ سکیں گے۔ یقیناً یہ بات آپ کے دل میں ہوگی کہ اس کا حل کیا ہے اور اس سے نجات کی راہ کیا ہوگی؟ اس کا حل اور راہ معلوم کرنے اور تلاش سے پہلے یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہوگا کہ یا تو اسلام کا لیبل اتار کر کھلم کھلا کفر اختیار کرلیں (نعوذ باللہ من ذلك) تو کم از کم دنیا تو ویسی ہی بن جائے گی جیسی امریکا، روس اور برطانیہ کی بنی ہوئی ہے یا حقیقی مسلمان بننے کا فیصلہ کرلیں۔ اور جب حقیقی مسلمان بننے کا فیصلہ کرلیا تو مکمل دین کو اپنانا ہوگا، وہ ذمہ داریاں پوری کرنی ہوں گی جو اسلام کو مطلوب ہیں، اگرچہ یہ کام دیر طلب ہے، لیکن پائیدار اور بنیادی ہے۔

ہمارا مقصد اور طریقہ کار:

ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کی تعلیمات کے سانچے میں ڈالیں۔ پہلے اسے انفرادی طور پر ہر مسلمان اپنی ذاتی زندگی میں قائم کرے اور پھر اجتماعی طور پر قوم کو اس کی دعوت دے تاکہ پوری قوم اپنی قومی زندگی میں اس کی اشاعت، اقامت اور نفاذ و عمل کے لیے تیار ہوجائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے عقیدہ میں، عمل و عبادت میں، اپنے گھر میں، اپنے خاندان میں، اپنی سوسائٹی میں، اپنے ملک میں، اپنی تعلیم گاہوں میں، اپنے ادب اور صحافت میں، اپنے کاروبار اور معاشی معاملات میں اور اپنی سیاست و حکومت میں اس ترتیب و تدریج سے عمل قائم کریں اور اپنے قول و عمل سے دنیا کے سامنے اس کی سچی گواہی دیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا اصل مقصد قرآن کریم کے ذریعے اپنی انفرادی اور اجتماعی اصلاح ہے۔ پھر اجتماعی اصلاح کے سلسلے میں دعوتِ دین اور اقامتِ دین ہے۔ اسی لیے آپ کی اور ہماری تمام سعی و عمل کا مرکز و محور اسی چیز کو ہونا چاہیے، اس کے لیے ہر طرح کی جانی، مالی، وقتی قربانی کے لیے تیار ہوں اور ہر اُس بات اور کام، عقیدہ، عمل اور قانون سے کنارہ کش ہوجائیں اور جس سے اسلام کی غلط نمائندگی ہوتی ہو۔ قرآن وسنت اور شریعتِ اسلام کو سامنے رکھ کر اپنے پورے قولی و عملی رویے پر نظر ثانی کریں اور اپنی تمام کوششیں اس راہ میں لگادیں کہ دین پورے کا پورا عملاً قائم ہو جائے اور اس کے حصول کے

لیے ٹھیک شرعی راستہ اختیار کریں۔

نظم جماعت :

اس مقصد کے لیے اجتماعی اور جماعتی شکل میں سعی اور محنت ضروری ہے۔دین کا بہت قلیل حصہ انفرادی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ پورے دین کو قائم کرنے اور اس کی صحیح شہادت واقامت کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ تمام ایسے لوگ جو مسلمان ہونے کی ان ذمہ داریوں کا شعور رکھتے ہیں اور انہیں ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، متحد ہو جائیں اور منظم طریقے سے دین کو عملاً قائم کریں، انفرادی اور اجتماعی اصلاح اور اقامت کریں، دنیا کو اس کی طرف دعوت دینے کی کوشش کریں اور اُن مزاحمتوں اور رکاوٹوں کو راستے سے ہٹائیں جو اقامت دین اور دعوت دین کی راہ میں حائل ہوں اور یہ سب جماعت ہی کے ذریعے ممکن ہے، کیونکہ جماعت ہی سے اللہ تعالیٰ کا تعاون ونصرت ہے جیساکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے {یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ} یہی وجہ ہے کہ دین میں جماعت (تنظیم) کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اصلاحِ خلق، دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدو جہد کے لئے ترتیب یہ رکھی گئی ہے کہ پہلے ایک نظمِ جماعت ہو پھر اللہ کی راہ میں جدوجہد کی جائے۔ اسلام کے پورے نظام پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دین مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام میں نظم چاہتا ہے اور اس نظم کی صحیح صورت یہ تجویز کرتا ہے کہ کام جماعت کی شکل میں اور نظم ونسق کے ساتھ کیا جائے۔ جماعت میں سمع وطاعت ہو اور ایک شخص اس کا امیر ہو۔ نماز پڑھی جائے تو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے اور ایک اس کا امام ہونا چاہیے۔ اسی جماعت کی وجہ سے یہ نماز ۲۷، ۲۵ درجے اکیلے بغیر جماعت کی نماز سے بہتر ہوتی ہے۔ اسی طرح حج کیا جائے تو منظم طریقے پر کیا جائے ایک امیر کے تحت ۔ حتیٰ کہ تین آدمی اگر سفر کو نکلیں تب بھی ان کو منظم طریقے سے جماعتی شکل میں سفر کرنا چاہیے اور اپنے ایک ساتھی کو امیر بنالینا چاہیے۔

اِذَا خَرَجَ ثَلٰثَۃٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا عَلَیْھِمْ اَحَدَھُمْ۔ [ابو داؤد]

”جب تین آدمی سفر پر نکلیں تو اُن کو چاہیے کہ ایک کو امیر بنالیں“۔

اور مسند احمد کی روایت ہے کہ:

لَایَحِلُّ لِثَلَاثَۃٍ یَکُوْنُوْا بِفَلَاۃٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَیْہِمْ اَحَدَھُمْ۔ [مسند احمد]

"حلال نہیں یہ بات کہ تین آدمی کسی جنگل صحرا میں ہوں اور وہ اپنے اُوپر اپنوں میں سے ایک کو امیر نہ بنالیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ صرف سفر میں نہیں، بلکہ ہر حالت میں مسلمانوں کو منظّم زندگی بسر کرنی چاہیے اوران کا کوئی اجتماعی کام بھی جماعت اور امارت کے بغیر نہیں ہونا چاہیے۔ اسلامی شریعت کی یہی وہ روح ہے جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

لَااِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَۃٍ وَلَا جَمَاعَۃَ اِلَّا بِاَمَارَۃٍ وَلَا اَمَارَۃَ اِلَّا بِطَاعَۃٍ

[جامع بیان العلم ابن عبد البرؒ]

"جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور اَمارت کے بغیر جماعت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں"۔

یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بغیر زندگی کو جاہلیت کی زندگی اور جماعت سے علیحدہ ہو کر رہنے کو اسلام سے علیحدگی کے ہم معنی قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَنَا اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ اَلْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّا اَنْ یُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ مِنْ جِثِیِّ جَھَنَّمَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰی قَالَ وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ۔ [احمد و حاکم]

"میں تم کو پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے: (۱) جماعت (۲) سمع (۳) طاعت (۴) ہجرت اور (۵) اللہ کی راہ میں جہاد۔ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اُتار پھینکا الّا یہ کہ وہ پھر جماعت کی طرف پلٹ آئے اور جس نے جاہلیت (یعنی افتراق و انتشار) کی دعوت دی وہ جہنمی ہے۔" صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں اگرچہ وہ نماز پڑھے روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے"۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں :

۱۔ جماعت اور امیر کی سمع وطاعت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

۲۔ دین کے کام اور اصلاحی طریقہ کار کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے جماعت ہو اور اس کا ایسا نظم ہو کہ سب جماعتی لوگ (ارکان) ایک امیر کی بات سنیں اور اطاعت کریں۔

۳۔ جہاں بھی اور جیسا بھی موقع اور ضرورت ہو اس لحاظ سے ہجرت اور جہاد کیا جائے۔

۴۔ جماعت سے علیحدہ رہنا گویا کہ اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونا زمانہ جاہلیت کی طرف واپس جانا ہے، کیونکہ اُس دور میں عربوں میں کوئی کسی کی سننے والا نہ تھا۔

۵۔ اسلام کے اکثر تقاضے اور مقاصد نظم جماعت اور اجتماعیت سے پورے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت سے الگ ہونے کی صورت میں نماز، روزے اور مسلمانی کے دعوؤں کے باوجود اسلام سے نکلنا قرار دیا ہے۔

ہمارا مطلوب کار:

جہاں تک اصلاح و تربیت کا تعلق ہے ہم عوام کی تربیت اور اصلاح کے سلسلے میں اُنہیں پہلے قرآن سے متعارف کراتے ہیں، قرآن سے تعلق بناتے ہیں اور قرآن کے ذریعے ہی پہلے ایمان اور عقیدے کی اور پھر عمل، عبادت، اخلاق، معاملات و معاشرت کی تربیت دیتے ہیں۔اور ساتھ یہ بات بھی بتاتے ہیں کہ ہر عمل سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ شرعی کے بغیر قابل قبول نہیں۔اس کے علاوہ یہ عقیدہ بھی پختہ کرایا جاتا ہے کہ یہ دینِ حق، توحید و سنت اور شریعت جن ہستیوں یعنی انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، سلف صالحین وائمہ مجتہدین رحمہم اللہ اور علماءِ حق کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے ان کا احترام اور

دفاع ہم پر فرض ہے۔ اس کے ساتھ یہ تربیت بھی دیتے ہیں کہ اس حق کو سمجھ کر اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق درس وتدریسِ قرآن، زبان و قلم، ہر معقول ومدلّل طریقے سے ہر شعبہ میں اس حق کو زیادہ سے زیادہ پہنچانے، اصلاح اور اس کی صحیح شہادت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ رہی اقامت دین اور اجتماعی اصلاح تو اس بارے میں ہماری کوشش یہ ہے کہ اوّل ایک ایک شخص کو حقیقی مسلمان بنائیں جو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بنے۔ پھر ان افراد کی اصلاح سے ہوتے ہوئے پورے گھر، محلے، علاقے کی اصلاح ہو اور ایک ایسی منظّم سوسائٹی نشو و نما پاسکے جس کے اندر اسلام اپنی اصل سپرٹ میں کام کرتا ہوا دیکھا جاسکتا ہو، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور خصوصاً مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے وجود اور بنیاد کا سبب یہی طریقہ بنا اور حقیقتاً یہی بنیادی طریقہ ہے۔ غرض آغاز تحریک میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم جگہ جگہ، گھروں میں، محلوں اور علاقوں کی سطح پر، مساجد، مدارس اور سکول، کالج یونیورسٹی اور ہر ادارے میں قرآن پاک کے دروس کے حلقے قائم کریں۔ ان دُروس کے حلقوں میں اُن افراد کو، جن کی انفرادی اصلاح ہوچکی ہو، پھر نظمِ جماعت میں شامل کرتے رہیں اور جگہ جگہ مختلف ذیلی جماعتیں اور تنظیمیں اسی مقصد کے لیے بنائیں جو ایک مرکز اور امیر کے تحت اور اشاعت کے اُصول کے مطابق ہوں، لیکن جو اپنے اپنے طور پر کام کریں۔ یہ تمام کام خود غرضی، لالچ، ریا، نفسانیت اور اِفراط و تفریط سے پاک، خلوص کے ساتھ صرف رضائے الٰہی اور باہم پیار محبت اور بھائی چارے پر مبنی ہو۔ جس میں اپنی خواہش کی بجائے شریعت کی تابعداری، اُصول جماعت کی پابندی اور اطاعتِ امیر کارفرما ہو۔

آپ سے ہمارا مطالبہ:

ہمارا مقصد امت مسلمہ کی اصلاح اور اسلام کے نفاذ کی کوشش ہے۔ آئیں سب مل کر اپنی اور دوسروں کی اصلاح قرآن وسنت کے ذریعے کریں اور پھر دینِ حق کو عملاً قائم کریں تاکہ دنیا والوں کے سامنے اس کے حقیقی گواہ بنیں۔ اب جو لوگ اس پروگرام اور مشن کے تحت کام کرنا چاہتے ہیں اُن سے ہمارا یہی مطالبہ ہے منظّم انداز میں اس مشن کے لیے کام کریں۔ اس کے لیے

تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔اپنی تمام صلاحیتیں اس مشن کے لیے وقف کریں اور اِسے شریعت، اُصولِ جماعت اور امیر کے حکم کے مطابق خرچ کریں۔اس راستے میں ہر قسم کے طعن و تشنیع ،پروپیگنڈے، الزام تراشی اور ہر تکلیف کو برداشت کریں۔لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ کیے بغیر سنجیدگی اور دلائل کے ساتھ اِن کے جوابات دے اور جہاں یہ طریقہ مفید نہ ہو تو اپنا وقت ضائع نہ کرے، بلکہ اپنے مشن کو آگے بڑھائے۔اِسی میں ہماری کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔